ہو گیا تھا جن کے اذہان سنت کے بارے میں شبہات کا شکار ہوئے۔ اور اسی زمانے میں یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج قرار بھی دے دیئے گئے۔ پھر دورِ جدید میں بعض مستشرقین اور استعمار و استبداد کی راہ ہموار کرنے والے عیسائی مبلغین نے حدیث کو اعتراضات کا ہدف بنا کر مسلمانوں کے دلوں میں شکوک ڈالنے کی کوشش شروع کی۔ اور اس فتنہ پردازی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ شریعت اسلامی کے اس مضبوط اور مستحکم ستون کو گرا کر وحدتِ اسلامیہ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کا یہ جادو کام کر گیا اور خود مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے ان کے اتباع میں وہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اب ضرورت ہے کہ جس طرح ابتدائی دور میں فتنۂ انکارِ حدیث کا مقابلہ کیا گیا تھا، اسی طرح اب بھی کیا جائے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ میں سنت کے موضوع پر بحث کروں، قانون اسلامی کی تدریجی اور تاریخی تدوین میں سنت کا مقام واضح کروں، علماء اسلام نے علومِ سنت و حدیث کی حفاظت و تحقیق کے سلسلے میں جو کاوشیں کی ہیں اُنہیں بیان کروں، قدیم و جدید زمانے میں حدیث پر جو حملے کیے گئے ہیں اُن پر علمی تنقید کروں اور آخر میں چند ایسے مجتہدین و محدثین کے حالات بھی مختصراً پیش کروں جنھوں نے سنت کے حفظ و بقا اور اُس سے استنباطِ احکام کے سلسلے میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔

سنت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم سنت کے لفظ کے لغوی معنی طریقے اور راستے کے ہیں خواہ وہ اچھا ہو، خواہ بُرا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جس نے کوئی اچھی سنت قائم کی اُسے خود اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور قیامت تک اس سنت کی پیروی کرنے والے کے عمل کا بھی۔ اور جس کسی نے کوئی بُری سنت قائم کی اُس کے اپنے فعل کی ذمہ داری بھی اُسی پر ہے اور قیامت تک جو اس بُرائی پر عمل کرے گا، اُس کی ذمہ داری میں بھی وہ شریک ہے“۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ ”تم اگلوں کی سنت کی قدم بقدم پیروی کرو گے“۔

محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر، صفات اور سیرت کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہو وہ سنت ہے خواہ وہ قبلِ بعثت سے متعلق ہو یا بعدِ بعثت سے۔ بعض محدثین کے نزدیک حدیث کی تعریف بھی یہی ہے۔ علماء اصول کی اصطلاح میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے۔ قول سے مراد ایسا ارشادِ نبوی ہے جس کا تعلق تشریع احکام سے ہو مثلاً إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یا "لا وصیة لوارث" (اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی)۔ فعل کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کام ہیں جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عدالتی فیصلوں کے ضمن میں سرانجام پائے ہیں۔ تقریر سے مراد صحابہؓ کے وہ افعال ہیں جو حضورؐ کے سامنے صادر ہوئے اور آپ نے انہیں پسند فرمایا یا سکوت اختیار فرمایا۔ اظہارِ پسندیدگی کی مثال وہ واقعہ ہے جو غزوۂ بنی قریظہ کے بارے میں منقول ہے۔ آپ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ "تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہ ہو جو بنی قریظہ کے پاس جا کر نمازِ عصر نہ پڑھے"۔ بعض صحابہؓ نے اس حکم کو لفظی معنوں میں لیا اور اگرچہ سورج رستے میں غروب ہو گیا، لیکن انہوں نے نماز بنو قریظہ میں جا کر مغرب کے بعد پڑھی۔ دوسرے گروہ نے آپ کے ارشاد کا مطلب صرف یہ سمجھا کہ سفر میں تیز روی سے کام لیا جائے۔ آپؐ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے کسی فریق کے فعل کو بھی برا نہیں سمجھا۔ دوسری قسم کی تقریر کی مثال وہ حدیث ہے جو حضرت خالدؓ بن ولید کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے گوہ کا گوشت کھایا جو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا مگر آپ نے اُسے نہیں کھایا۔ بعض صحابہؓ نے دریافت کیا "یارسول اللہ کیا یہ گوشت حرام ہے؟" آپ نے فرمایا "نہیں، لیکن گوہ میرے وطن میں نہیں پائی جاتی، اس لیے مجھے اس سے طبعاً کراہت ہے"۔ اصولیین کے نزدیک ایک معنی میں سنت کا اطلاق اُس شے پر بھی ہوتا ہے جس کے حق میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو خواہ یہ دلیل کتاب اللہ سے ہو یا سنتِ رسول سے یا صحابہ کے اجتہاد سے۔ اس کی مثال مصحف کا جمع کرنا اور لوگوں کو ایک ہی قرأت پر آمادہ کرنا ہے۔ اس معنی کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی"۔ سنت کے اس مفہوم کے مقابل میں "بدعت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جو فرض اور واجب تو نہ ہو مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ اس لحاظ سے یہ لفظ ایک طرف فرض اور واجب کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اور دوسری طرف بدعت کے مقابلے میں۔ مثلاً طلاق کے ثابت شدہ طریقے کو طلاق السنۃ کہا جاتا ہے اور غیر ثابت طریقے کو طلاق البدعۃ کا نام دیا جاتا ہے۔

اہلِ علم کے مذکورہ بالا گروہوں کے درمیان سنت کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے سامنے ایک الگ موضوعِ بحث اور مقصدِ تحقیق رکھتا ہے۔ علماء حدیث کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا اُسوہ اور نمونہ ہے۔ وہ سیرت و اخلاق، شمائل و خصائل، اقوال و افعال، اخبار و آثار ہر شئے کو نقل کر دیتے ہیں، خواہ اُن سے کوئی حکم شرعی ثابت ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ علماء اصول نے حیاتِ نبوی کا ایک شارع اور قانون ساز کی زندگی ہونے کی حیثیت سے مطالعہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن افعال، اقوال اور تقریرات پر اپنی توجہ کو مرکوز کیا ہے جن سے احکامِ شرعی کا ثبوت نکلتا ہے۔ علماء فقہ نے ان تمام افعال کو اپنے دائرہ بحث میں لیا ہے جن سے شرعی وجوب، حُرمت یا اباحت ثابت یا مستنبط ہوتی ہے۔ ہم یہاں سُنت پر اُسی حیثیت سے بحث کرنا چاہتے ہیں، جس حیثیت سے علماء اصول نے اس پر بحث کی ہے، کیونکہ اسی بحث کے دوران میں حدیث کی حُجیت اور تشریعِ احکام میں اُس کا مقام واضح ہو سکتا ہے، اگرچہ اس میں شک نہیں ہے کہ ضمناً ہمیں سنّت کے اُس وسیع مفہوم سے بھی تعرض کرنا پڑے گا جو علماء محدثین کے ہاں متعین کیا گیا ہے۔

وجوبِ اطاعتِ رسول حینِ حیات | عہدِ نبوی میں قرآن مجید کے ذریعے سے جن احکام کا بتدریج نزول ہوتا تھا اُن میں سے اکثر بالکل مُجمل اور مطلق ہوتے تھے، اُن کے ساتھ کوئی تفصیل و تحدید موجود نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً قرآن میں نماز کا حکم بار بار آ رہا تھا مگر اُس کی ہیئت، تعدادِ رکعات اور تفصیلِ اوقات کا ذکر احکام کے ہمراہ نہیں تھا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا حکم نازل ہو چکا تھا مگر وہ بالکل مطلق اور غیر مقید تھا، اُس میں نصابِ زکوٰۃ، شرحِ زکوٰۃ اور دیگر شرائطِ زکوٰۃ کی تشریح موجود نہ تھی۔ اسی طرح بے شمار دوسرے قرآنی احکام تھے کہ جن کی تعمیل و تنفیذ اُس وقت تک عملاً ناممکن تھی جب تک کہ اُن کے شروط، ارکان اور مفسدات کی وضاحت موجود نہ ہوتی۔ چنانچہ اس حالت میں احکام کی تفصیلی اور واضح معرفت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع قطعی طور پر ناگزیر تھا۔ اسی طرح صحابہ کو بہت سے ایسے مسائل و معاملات سے سابقہ پیش آتا تھا جن کے بارے میں کوئی قرآنی نص موجود نہیں ہوتی تھی۔ اس صورت میں بھی حکمتِ نبوی

سے استفادہ لازمی تھا۔ کیونکہ حدود و مقاصدِ شریعت کو جاننے والا، رسولؐ سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ قرآن میں ہی اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ نبی کا تعلق قرآن سے یہ ہے کہ وہ قرآن کی وضاحت اور تبیین کرتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل-۴۴)

ہم نے تیری طرف الذکر نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کرے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (النحل-۶۴)

ہم نے تجھ پر کتاب اس لیے اتاری ہے کہ تو اُن کے لیے اُس چیز کی وضاحت کر دے جس میں انہوں نے باہم اختلاف کیا ہے۔

اسی طرح ہر متنازع فیہ معاملے میں قرآن نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ نبی کی ذات کو حَکم بنائیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء-۶۵)

پس ہرگز نہیں، تیرے رب کی قسم وہ ہرگز ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ تجھے باہمی جھگڑوں میں حَکم نہ بنائیں، پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے پر تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر سپر نہ ڈال دیں۔

اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کو صرف قرآن ہی نہیں دیا گیا ہے بلکہ اُس کے ساتھ حکمت بھی عطا کی گئی ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران-۱۶۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ اُس نے ان میں ایک رسول بھیجا جو اُن پر اُس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے درآنحالیکہ پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

جمہور علماء محققین کے خیال کے مطابق حکمت قرآن کے علاوہ ایک مستقل شے ہے اور اس سے مراد قرآن کے منشا اور دین کے نظام اور شریعت کے مقاصد کا وہ فہم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نوازا تھا۔ یہی فہم جب آپ کے قول و فعل میں ظاہر ہوا تو سنت کہلایا۔ امام شافعی فرماتے ہیں "اللہ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے اس سے مراد قرآن ہے اور جس حکمت کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں میں نے اپنے دیار کے اہل علم سے یہی سنا ہے کہ وہ سنت ہے۔ حکمت کا ذکر جگہ جگہ کتاب کے ذکر کے بعد آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنے اس احسان کو بیان فرمایا ہے کہ انہیں رسول کے ذریعے سے کتاب و حکمت سکھائی جا رہی ہے۔ یہاں حکمت سے سنت رسول کے علاوہ کچھ اور مراد لینا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ صرف رسول کی اطاعت ہی فرض کی گئی ہے اور اسی طرح ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے" پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جس چیز کا ذکر بطور احسان کے فرمایا گیا ہو اور جسے واجب الاتباع قرار دیا گیا ہو وہ سوائے حق و صواب کے کچھ اور نہیں ہو سکتی۔ تشریع احکام کے سلسلے میں مقام رسالت کو مندرجہ ذیل آیت بھی واضح کرتی ہے:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔	وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بیڑیاں اتارتا ہے جو ان پر تھیں۔

اس آیت کے الفاظ بالکل عام ہیں اور ان سے مراد حلت و حرمت کے وہ احکام بھی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور وہ احکام بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ متعدد مقامات پر قرآن میں آنحضور کو مصدر احکام قرار دیا گیا ہے، اور آپ کے امر و نہی کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا۔ (الحشر۔ ۷)	رسول جو کچھ (حکم) تمہیں دے اسے تھام لو اور جس سے تمہیں روکے، رک جاؤ۔
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ	اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، توقع ہے کہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ۔ (آلِ عمران - ۱۳۲)

رحم کیا جائے گا۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۔ (الانفال - ۲۴)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو لبیک کہو اللہ اور رسول کی پکار پر جب وہ تمہیں اُس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔

بلکہ اطاعتِ رسول کو اطاعت اللہ کا ہم معنی اور مترادف قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء - ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ (آلِ عمران - ۳۱)

کہدو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔

اسی طرح رسول کی عدمِ اطاعت اور مخالفتِ امر پر عذاب الیم کی دھمکی دی گئی ہے اور اسے کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (النور - ۶۳)

پس ڈرنا چاہیے اُن لوگوں کو جو اس رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہیں وہ فتنے یا عذاب الیم میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (آلِ عمران)

کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب - ۳۶)

کسی مومن مرد اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو اُن کے لیے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے پس وہ کھلی ہوئی

گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ۔ (النور - ۴۷)

اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد منہ پھیرتا ہے اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ (رسول) ان کے مابین فیصلہ کرے، تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (النور - ۵۱)

مومنوں کا کہنا تو صرف یہ ہوتا ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

صرف اطاعت و عدم اطاعت کو مدارِ ایمان و کفر نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ اس امر کو بھی لوازمِ ایمان میں سے قرار دیا گیا کہ اگر مومنین کسی اجتماعی کام میں رسول کے ساتھ شریک ہوں، تو بلا اجازت وہاں سے رخصت نہ ہوں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ (النور - ۶۲)

مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ اس کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو اس وقت تک نہیں جاتے، جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کریں۔

ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں فرمایا ہے کہ "جب رسول کے پاس سے جانے کے لیے استیذان کو لازمۂ ایمان قرار دیا گیا ہے تو پھر زندگی کے دوسرے اقوال و افعال میں تو بدرجۂ اولیٰ استیذان ایک مومن کے لیے ضروری اور ناگزیر ہو گیا۔ آج یہ استیذان اُس سنت سے ہو گا جو ہمارے پاس موجود ہے۔"

انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ احکام قرآنیہ کی تفسیر، مشکلات کے حل، اور متنازع فیہ مسائل کے فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ کے اوامر ونواہی کی پابندی کا التزام کرتے تھے، اور عبادات ومعاملات میں آپ کی سنت کا اتباع کرتے تھے، الّا یہ کہ انہیں اس کا علم ہو جاتا کہ کوئی فعل آپ کے لیے خاص ہے۔ حضور خود بھی اسی کا حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ فرمایا "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي۔ البخاری (نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو)۔ خذوا عنی مناسککم (مسلم) (مجھ سے مناسک حج سیکھو)۔ اگر صحابہ میں سے کسی کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ کی سنت کا اتباع نہیں کرتے تو آپ ناخوش ہوتے تھے۔ چنانچہ موطا امام مالک میں عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے اپنی بیوی کو حضور کے گھر اس لیے بھیجا کہ وہ روزے کی حالت میں بوسہ لینے کا مسئلہ دریافت کرے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں ازواج کا بوسہ لیتے ہیں۔ جب صحابی کی اہلیہ نے خاوند کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا "میں رسول اللہ کے مانند نہیں ہوں، اللہ اپنے رسول کے لیے جس چیز کو چاہے حلال کر سکتا ہے۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا "میں تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ حدود اللہ کو جاننے والا ہوں۔" اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صحابہ کو سر منڈانے اور احرام کھول دینے کا حکم دیا، مگر انہوں نے اس میں تامّل کیا۔ آپ پر یہ چیز بہت شاق گذری اور آپ نے خود حلق و احلال کو سرانجام دیا۔ تب صحابہ نے بھی فوراً اس کا اتباع کیا۔ بعد میں صحابہ کا جذبۂ اتباع اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ آپ جو کچھ کرتے تھے، صحابہ وہی کچھ کرتے تھے اور آپ جس چیز سے رک جاتے تھے صحابہ بھی اُسے ترک کر دیتے تھے، بغیر اس کے کہ اس اخذ و ترک کی علت و حکمت انہیں معلوم ہوتی یا وہ اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سونے کی ایک انگوٹھی کو نے کر پھینک دیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔ صحابہ میں جن جن کے پاس ایسی انگوٹھیاں تھیں انہوں نے بھی انہیں اتار کر پھینک دیا۔ اسی طرح شرح الشفا للقاضی میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضورؐ نے نماز

کے دوران میں اپنے جوتے آتار کر بائیں طرف رکھ دیے۔ صحابہ جو مقتدی تھے ان سب نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو دیکھ کر ایسا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی تھی کہ میرے جوتوں میں کچھ نجاست لگی ہے۔ طبقات ابن سعد میں مروی ہے کہ آپ نے نماز ظہر کی دو رکعتیں قبلۂ اول بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی تھیں کہ اسی اثنا میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو گیا اور آپ نے مسجد حرام کی طرف رُخ پھیر لیا اور ساتھ ہی صحابہؓ نے بھی فوراً ادھر منہ پھیر لیا۔ امتثال امر کی یہ کیفیت اِس درجہ صحابہ میں موجود تھی کہ بظاہر نہایت معمولی اور غیر اہم امور میں بھی صحابہ فوراً تعمیل کرتے تھے۔ ابوداؤد اور ابن عبدالبر نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایک مرتبہ جمعہ کے لیے مسجد میں آئے تو آنحضور خطبہ دے رہے تھے۔ یکایک ان کے کان میں حضور کی آواز آئی کہ "بیٹھ جاؤ" حضرت ابن مسعود اُس وقت مسجد کے دروازے میں تھے۔ سُنتے ہی وہیں بیٹھ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو بیٹھے دیکھا تو فرمایا "اے ابن مسعود آگے آجاؤ"۔

اِن چند مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ نبیؐ کے قول، فعل اور تقریر کو حکم شرعی سمجھتے تھے۔ اس امر پر اجماع تھا اور کسی ایک کو بھی اِس بارے میں اختلاف نہ تھا جس طرح وہ احکام قرآنی کی خلاف ورزی کو اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے، ٹھیک اسی طرح وہ سنتِ نبوی کی خلاف ورزی کو بھی ناجائز خیال کرتے تھے۔ صحابہ اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے کا اظہار کرنا بھی چاہتے تھے تو پہلے دریافت کر لیتے تھے کہ اِس معاملے میں وحی کی رہنمائی حاصل ہو چکی ہے یا نہیں؟ مثلاً جیسا کہ حضرت حباب بن منذر نے غزوۂ بدر کی مورچہ بندی کے لیے انتخابِ مقام کے موقع پر دریافت کیا تھا۔ بعض اوقات حکمتِ احکام کی معرفت کی خاطر صحابہ سوالات کرتے تھے، لیکن سنتِ رسول کے سامنے اُن کا دائمی رویہ مطلق تسلیم، کامل اتباع اور کلی التزام کا ہی ہوتا تھا۔

وجوبِ اطاعت بعد وفات اوامرِ قرآنی کے بموجب جس طرح اتباع و اطاعتِ رسول آپ کی زندگی میں واجب تھی، بالکل اُسی طرح سنت کا اتباع مسلمانوں کے لیے آپ کی وفات کے بعد بھی لازم ہے۔ کیونکہ نصوصِ قرآنی نے جس چیز کو واجب ٹھہرایا ہے وہ عام اطاعت ہے، ان میں یہ قید نہیں ہے کہ

اسوۂ نبیؐ صرف نبیؐ کی زندگی تک مستحقِ اطاعت ہے، اور نہ یہ کہ اطاعت کا حکم صحابہ کے لیے خاص ہے۔ اطاعت کی علت جیسی اُس وقت موجود تھی، بالکل ویسی ہی آج بھی موجود ہے۔ آپؐ کی حیات میں ہی یہ اصول طے ہو چکا تھا کہ آپ کی سنت کی پیروی صرف آپ کے سامنے نہیں بلکہ آپ کی غیبت میں بھی لازم ہے۔ اصحابِ سنن، ابنِ سعد اور ابنِ عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تھا تو اُن سے پوچھا تھا کہ اگر کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق۔ پوچھا اگر کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہ ہو تو؟ انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پوچھا اگر سنتِ رسول میں بھی مذکور نہ ہو تو؟ انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ آنحضورؐ نے دستِ مبارک سے اُن کا سینہ ٹھونکا اور فرمایا شکر اور تعریف ہے اُس اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کی رائے کو رسول اللہ کی مرضی کے موافق کر دیا۔ اسی طرح آپؐ نے ہی مسلمانوں کو حیاتِ طیبہ کے بعد سنت پر عمل کرنے کے لیے ابھارا ہے اور اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اس ضمن میں بکثرت احادیث مروی ہیں جو حدِ تواتر کو پہنچتی ہیں۔ مثلاً حاکم اور ابن عبدالبر نے عبداللہ بن عمرو بن عوف سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، جب تک تم انہیں تھامے رہو گے، گمراہ نہ ہو گے ـــ کتاب اللہ اور میری سنت۔" یہی روایت بیہقی نے بھی حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباس کے واسطے سے یہ فرمانِ نبوی نقل کیا ہے کہ "جب تمہارے سامنے کتاب اللہ سے کچھ رکھا جائے تو وہ واجب التعمیل ہے، اُس کے ترک میں کسی کے لیے عُذر جائز نہیں۔ اگر کوئی چیز کتاب اللہ سے نہ ہو لیکن نبی کی سنتِ ماضیہ سے ہو۔ تو وہ بھی ویسی ہی واجب التعمیل ہے۔" اب ظاہر ہے کہ آپ کی سنت، سنتِ ماضیہ کا درجہ انہی لوگوں کے لیے اختیار کرتی ہے جو آپ کی حیات کے بعد اسلام کے رستے پر چلنے والے ہوں۔ امام بخاری و حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "میری امت کا ہر شخص جنت میں داخل ہو گا، سوائے اس شخص کے جو انکار کر دے۔" صحابہ نے عرض کیا یا رسول انکار کون کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا "جس نے میری اطاعت کی

وہ جنت میں داخل ہُوا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کر دیا"۔ حاکم نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے خطبہ حجۃ الوداع کا یہ فقرہ نقل کیا ہے "میں تمہارے اندر وہ کچھ چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوط پکڑا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے — اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت"۔ ابن عبدالبر، ترمذی، ابوداؤد، احمد اور ابن ماجہ نے عرباضؓ بن ساریہ سے آنحضورؐ کی ایک تقریر نقل کی ہے جو آپؐ نے ایک روز نماز صبح کے بعد فرمائی۔ اُس میں آپؐ نے فرمایا "جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور میرے راست رو ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر جمے رہنا، اسے دانتوں سے پکڑے رہنا اور خبردار محدثات اور بدعات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے نہ صرف خود سنت سے غایت درجہ اعتناء کیا بلکہ اسے امانت رسول کے طور پر اپنے بعد کی نسلوں کی طرف بھی منتقل کیا۔ اس تبلیغِ علم کی رغبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے دلائی تھی کہ "اللہ اُس آدمی کو آسودہ رکھے جس نے میری بات کو سنا اور پھر اُسے جیسے سُنا تھا، آگے پہنچا دیا۔ بسا اوقات سننے والے سے بڑھ کر محافظ و خداشناس وہ شخص ہوتا ہے جس تک سننے والا پہنچاتا ہے"۔

صحابہ سنتِ رسول کو کیسے اخذ کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان اس طرح زندگی گزارتے تھے کہ فریقین کے درمیان کسی طرح کا حجاب حائل نہیں ہوتا تھا۔ نبیؐ اور صحابہ مسجد میں، بازار میں، گھر میں، سفر میں، حضر میں ہر جگہ ملتے جلتے تھے۔ آپؐ کے افعال و اقوال صحابہ کی کمال درجے کی توجہ کا مرکز بنے رہتے تھے اور آپ کی پوری شخصیت صحابہ کی دینی و دنیوی زندگی کا محور تھی، کیونکہ آپ ہی کے ذریعے سے انہیں اللہ نے ہدایت بخشی تھی۔ اور ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کی تھی۔ آپؐ کے احوال کے تتبع کی حرص اور خواہش صحابہ میں اس حد تک موجود تھی کہ اگر ان میں سے ہر شخص ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں رہ سکتا تھا تو وہ باہمی طور پر باری باری حاضری کا انتظام طے کر لیتے تھے تاکہ اُسوہ نبوی میں سے کسی شئے سے وہ بے خبر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ بخاری میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کی روایت موجود ہے کہ میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ مضافات مدینہ میں رہتے تھے اور

ہم دونوں باری باری سے رسول اللہ کے پاس حاضری دیتے تھے۔ جس روز میں حاضر ہوتا تھا اُس روز کی سرگذشت میں اسے سناتا تھا اور جب اس کی باری ہوتی تھی تو وہ بھی ایسا ہی کرتا تھا۔ یہ صورت حال اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ صحابہ سیرتِ نبوی کی کامل پیروی کا نظریہ اور داعیہ اپنے اندر رکھتے تھے اور آپ کے اوامر و نواہی اُن کے نزدیک واجب الاتباع تھے۔ اسی طرح مدینہ سے باہر کے قبائل اپنے افراد اور وفود کو آپ کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ احکام دین جاکر سیکھیں اور پھر آکر اپنے قبیلوں کو سکھائیں۔ بعض بدوی صحابی احکام شرعی معلوم کرنے کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے آتے تھے اور چند باتیں معلوم کر کے لوٹ جاتے تھے اور اِس آمد و رفت میں کسی دوسری غرض کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ بخاری میں عقبہؓ بن حارث سے روایت ہے کہ ایک عورت نے بیان کیا کہ اُس نے عقبہؓ اور اُن کی اہلیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ چنانچہ عقبہ مکہ سے فوراً مدینے روانہ ہو گئے اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کیف وقد قیل۔ اب نکاح کیسے باقی رہ سکتا ہے، جبکہ ایسی بات کہہ دی گئی۔ حضرت عقبہؓ نے اُسی وقت بیوی کو طلاق دیدی اور اُس نے دوسرا نکاح کر لیا۔ صحابہؓ صرف آنحضورؐ سے ہی مسائل نہیں سیکھتے تھے بلکہ ان کا قاعدہ یہ بھی تھا کہ وہ ازواجِ مطہراتؓ کے پاس بھی اس غرض کے لیے جاتے تھے۔ چنانچہ تقبیلِ صائم کے سلسلے کا ایک واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اِسی طرح صحابیاتؓ بھی آپ کے گھروں میں جاتی تھیں۔ کبھی تو وہ براہِ راست آپ سے سوالات کرتی تھیں اور کبھی ازواجِ مطہراتؓ کی وساطت سے پوچھواتی تھیں۔ آپ بھی کبھی براہِ راست جواب دیتے تھے اور اگر کبھی ایسا کرنا نامناسب ہوتا تھا تو آپ ازواج سے فرماتے تھے اور وہ آگے سمجھا دیتی تھیں چنانچہ بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک عورت نے آکر پوچھا کہ میں حیض سے طہارت کیسے حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی ٹکڑے سے وضو کرنے (وضو کے لغوی معنی دھونے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے ہیں)۔ عورت نے اپنا سوال کئی مرتبہ دہرایا اور آپ نے ہر مرتبہ وہی جواب دیا مگر وہ نہ سمجھی۔ آخر آپؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اُسے سمجھا دیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے اُسے سمجھایا کہ وہ صاف روئی کا ایک ٹکڑا لے کر اُسے خون والی جگہ پر رکھے،

جب وہ ٹکڑا بالکل صاف رہے، تو یہ طہارت کی علامت ہے۔

یہ امر بلاشبہ قابلِ ذکر ہے کہ جملہ صحابہ کا علم و فہم مساوی نہیں تھا۔ بعض اُن میں سے شہری تھے، بعض بدوی۔ بعض ان میں تاجر و صانع تھے اور بعض اصحاب صفّہ اور دنیوی مشاغل سے بالکل علیحدہ۔ بعض کا قیام بیشتر مدینے میں رہتا تھا اور اکثر وہاں سے غائب رہتے تھے۔ پھر ایسا بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ آپؐ وعظ و ارشاد کے ہر موقع پر تمام صحابہ کو جمع کرنے کا اہتمام فرماتے۔ ایسا تو ایام جمعہ و عیدین، اور دیگر شاذ مواقع پر ہی ہوتا تھا۔ بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت بھی موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موعظت و تلقین کئی کئی ایام کے وقفوں کے ساتھ کرتے تھے تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں۔ اسی طرح مسروق تابعی کا قول مشہور ہے کہ میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کے مختلف حوضوں کی مانند پایا ہے۔ بعض اُن میں سے ایک آدمی کی پیاس بجھاتے ہیں، بعض دو کی، بعض دس کی، بعض سو کی اور بعض ایسے بھی ہیں کہ اُن سے روئے زمین کے تمام انسان و حیوان سیراب ہو سکتے ہیں۔ اِس بارے میں ایک قدرتی اصول یہ ہے کہ صحابہ میں سے سنت رسول کو سب سے زیادہ جاننے والے وہ تھے جو سابق الاسلام تھے۔ مثلاً خلفاء اربعہ اور عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہم۔ یا پھر وہ لوگ تھے جنہیں آنحضورؐ کا شرف مصاحبت و ملازمت زیادہ حاصل رہا ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

عہدِ نبوی میں احادیث کیوں مرتب نہیں کی گئیں؟

مؤلفینِ سیرت، علماء حدیث اور جمہور مسلمین کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسولؐ اور صحابہ کی اولین توجہ حفاظت قرآن کی طرف مبذول تھی۔ چنانچہ آپؐ کے وصال کے وقت قرآن سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہو چکا تھا۔ صرف اُسے ایک مصحف کی شکل دینے کی کسر باقی تھی۔ حدیث و سنت کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ اگرچہ اُس کے مصدرِ تشریع ہونے کی حیثیت مسلّم تھی لیکن اُس کی تدوین اس طریقے سے نہیں کی گئی جس طرح قرآن کی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیث کا مواد قرآن کی طرح مختصر نہیں تھا۔ اقوال، اعمال اور معاملات کا یہ عظیم الشان ذخیرہ ایک نبی کی جامع اور ہمہ گیر تیئیس سالہ حیات سے تعلق رکھتا تھا جس کے دیکھنے،

سننے، اور جاننے والے ہزارہا افراد تھے، اور بیک وقت سب کو ہی اُس سے واسطہ نہ پیش آتا تھا بلکہ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو پیش آتا تھا۔ اُس زمانے میں پڑھے لکھے صحابہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ سامانِ کتابت کا یہ حال تھا کہ قرآن کی کتابت کے لیے بھی کچھ کھجور کے پتے، جھلیاں اور پتھر کی تختیاں بمشکل فراہم کرتے تھے۔ اس زمانے کے فنِ تحریر کو بھی آج کل کی زود نویسی سے کوئی نسبت نہ تھی۔ اِن حالات میں کیسے ممکن تھا کہ ہر صحابی اپنے ساتھ ایک نوٹ بک اور پنسل رکھتا اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا اسے لکھتا جاتا؛ اُن میں سے جو لکھے پڑھے تھے ان کے لیے بھی یہ عملاً دشوار بلکہ ناممکن تھا کہ وہ قرآن کی طرح صاحبِ قرآن کی تمام حرکات و سکنات کو بھی لکھ لیتے اور ایک منضبط تحریری شکل میں اُسے بعد کی نسلوں کے سپرد کرتے۔ پھر عرب چونکہ ایک امی اور اَن پڑھ قوم تھے اس لیے اپنے معاملات میں اُن کا واحد اعتماد اپنے حافظے اور استحضار پر ہوتا تھا۔ مزید برآں کتابتِ قرآن کے ابتدائی دَور میں کتابتِ حدیث سے ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ قرآن و حدیث خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے بھی حدیث کا لکھنا صحیح نہ خیال کیا گیا۔ عدم تدوینِ سنت کے اور بھی بہت سے وجوہ ہیں جو علماء نے تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے جو قولِ رسولؐ مروی ہے کہ "قرآن کے سوا کسی چیز کو میری طرف سے نہ لکھو اور جس نے لکھی ہو وہ مٹا دے" وہ اِسی صورتِ حال سے تعلق رکھتی ہے۔

کیا عہدِ نبوی میں احادیث لکھی ہی نہ گئی تھیں؟ لیکن عہدِ نبوی میں اگر قرآن کی طرح حدیث کی باضابطہ تدوین نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس عہدِ مبارک میں کوئی حدیث سرے سے لکھی ہی نہیں گئی۔ متعدد احادیثِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اِس عہد میں بھی کتابتِ حدیث ہوتی رہی ہے۔ امام بخاری نے کتاب العلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے سال آپ نے حرم کی حُرمت کو واضح کرنے کے لیے سوار ہو کر ایک تقریر فرمائی تھی۔ تقریر کے خاتمے پر اہلِ یمن میں سے ایک صاحب ابو شاہ نامی نے عرض کیا "یا رسول اللہ میرے لیے یہ خطبہ لکھوا دیجیے"۔ آپ نے فرمایا "اکتبوا لابی شاہٍ" ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔ اسی طرح آپ نے ہم عصر ملوک کے نام خطوط لکھوائے اور آپ اپنے عُمّال اور سپہ سالاروں کو بھی ہدایات تحریر کراتے تھے۔ بعض لکھے پڑھے صحابہ کے پاس صحیفے اور یادداشتیں

بھی ہوتی تھیں جن میں وہ ارشاداتِ نبوی کو لکھ لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس ایسی ایک نوٹ بک تھی جسے وہ "صادقہ" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ امام احمد و بیہقی نے حضرت ابوہریرہ کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن عمرو کے سوا مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم حدیث نہ تھا۔ وہ لکھ لیتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ بعض صحابہ کی نگاہ میں حضرت عبداللہ کا فعل کھٹکا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ رسول اللہ کی ہر بات لکھ لیتے ہیں حالانکہ حضور بعض اوقات ناراضگی کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت ابن عمرو نے آپؐ سے رجوع کیا۔ آپؐ نے فرمایا "تم مجھ سے سُن کر لکھ لیا کرو۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میرے منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا"۔ حضرت علیؓ سے بھی ثابت ہے کہ اُن کی ایک یادداشت میں دیتِ عاقلہ اور بعض دیگر احکام تحریر تھے۔ اسی طرح اس کا ثبوت موجود ہے کہ حضورؐ نے اپنے گورنروں کو فرامین ارسال فرمائے تھے جن میں مواشی اور دیگر اموالِ زکوٰۃ کے نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل درج تھی۔

کتابتِ حدیث کے بارے میں اجازت اور ممانعت پر دلالت کرنے والی جو دو طرح کی احادیث وارد ہیں، ان کے متعلق اکثر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ نہی پہلے تھی اور بعد میں اجازت دے دی گئی۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ نہی کی اصل غرض قرآن و سنت کو گڈمڈ ہونے سے بچانا تھا، اس لیے جہاں اس امر کا خطرہ موجود نہ تھا وہاں آنحضورؐ نے کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی اور جہاں خطرے کا امکان تھا وہاں روک دیا۔ ہماری تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ جس چیز سے منع فرمایا گیا تھا وہ قرآن کی طرح حدیث کی باقاعدہ و باضابطہ تدوین تھی۔ باقی ذاتی یادداشتوں کی ممانعت نہیں کی گئی تھی۔

(باقی)

چند احادیث پر اعتراض اور اُن کا جواب

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس احادیث کے لیے میرے دل میں احترام کا جذبہ کسی کٹر سے کٹر اہلِ حدیث سے کم نہیں۔ اسی لیے ہر وقت دعا مانگتا ہوں کہ خدا مجھے منکرین حدیث کے فتنے سے بچائے۔ لیکن چند احادیث کے متعلق ہمیشہ میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ امید ہے کہ آنجناب از راہِ کرم ان احادیث اور ان سے متعلق میرے شبہات کو ملاحظہ فرمائیں گے اور ان کی وضاحت کر کے میری پریشانی و بے اطمینانی رفع فرما دیں گے۔ شکر گذار ہوں گا۔

اخلاقی لحاظ سے معیوب

(۱) حضرت عائشہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق استفسار کیا گیا تو انہوں نے برتن منگوا کر اور پردہ لٹکا کر اپنے بھائی اور ایک غیر شخص کی موجودگی میں غسل فرمایا (بخاری، جلد اول ص ۳۹)

(۲) حضرت سبرہ کی روایت نکاح متعہ کے متعلق کہ ہم دو ساتھی بنی عامر کی کسی عورت کے پاس گئے اور اسے اپنی خدمات پیش کیں۔ (مسلم جلد سوم، ص ۴۴۳)

(۳) حضرت جابر کی روایت کہ ہم نبی صلعم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں مٹھی بھر آٹا دے کر عورتوں کو استعمال کر لیتے تھے اور اس حرکت سے ہمیں حضرت عمرؓ نے روکا (مسلم، جلد سوم ص ۴۲۱)

(۴) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ کو احرام توڑ کر خوب جماع کیا اور پانچویں دن کے بعد جب ہم عرفہ کے لیے روانہ ہوئے تو تقطر مذاکیرنا المنی (مسلم، جلد سوم، ص ۲۷۳)

خلافِ علم و عقل

(۵) حضرت ابوذرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کے متعلق بتایا کہ ڈوبنے کے بعد آفتاب عرش کے نیچے سجدے میں گر جاتا ہے اور صبح تک دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت